eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

ثمینہ شہناز
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر محمد آصف اعوان
پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

Samina Shahnaz
PhD Scholar, Dept. of Urdu, Govt. College University, Faisalabad.
Dr. Muhammad Asif Awan.
Professor, Dept. of Urdu, Govt. College University, Faisalabad

خطباتِ اقبال اور افکارِ عصر

Speeches of Iqbal & Contemporary Intellect

Abstract:

The Reconstruction of Religious Thought in Islam is a book of the greatest importance among those written after the period of our downfall. It leads us to comprehension of the spirit of our cultural and civilisational progress and the basic causes of our decadence. It leads to the ways of understanding the requirements of the new age and the reconstruction of our present and future. It guides us to the principles on which our renaissance is possible. The lectures are spread over the canvas of the religious, intellectual, theological, political and practical problems created for the Muslims in the evolution of the new life in the Indian sub continent of the Muslim World. This article aims at identifying the need and importance of the lectures in this perspective. In the whole Islamic world the basic challenges faced by religion itself and the Muslim Ummah for its existence and continuity have been addressed in the background of Islam and its relationship with the West in an unprecedented manner. Iqbal formulated some basic questions with the background of Western philosophy and Islamic theology and answered them as well. Even if Iqbal had not offered answers to these questions, he would have enjoyed unique eminence. But the greatness of Iqbal lies in his not leaving these questions hanging in the air and tried to provide their answers with serious thought and deep insight. These "lectures" of Iqbal are a mirror of our national perceptions. We neither do nor should insist on the finality of the thought presented in the "lectures". On the other hand, as said by Allama Iqbal in the "*Preface*" to the "lectures" that: "Our duty is carefully to watch the progress of human thought, and to maintain an independent critical attitude towards it".

Key Words: Iqbal, Speeches, Intellect, Reconstruction, Culture, Civilization, Impacts

کلیدی الفاظ: اقبال، خطبات، افکار، تعمیرِ نو، ثقافت، تہذیب، اثرات

بیسویں صدی میں جن شخصیات نے اسلامی فکر و تہذیب پر ٹھوس علمی ادب پیش کیا ان میں علامہ محمد اقبال کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ انہوں نے فکر اسلامی کی تشکیل نو کی شدید خواہش کے تحت جمود کے اس رجحان کو تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ جو مسلمان قوم کے فکری زوال اور پس ماندگی کا باعث تھا۔ یہی فکری زوال معاشی، سیاسی اور سماجی ہر میدان میں تنزلی کا باعث بن رہا تھا۔ اگرچہ علامہ اقبال کی علمی و ادبی زندگی کا آغاز انیسویں صدی کے آخری عشرے میں ہو گیا تھا۔ تاہم فروری 1900ء میں انہوں نے انجمنِ حمایت اسلام کے جلسوں میں باقاعدہ شریک ہونا شروع کر دیا تھا۔ لیکن قومی زندگی کے حوالے سے غور و فکر کا باقاعدہ آغاز یورپ سے واپسی پر ہوتا ہے۔

1915ء میں "اسرار خودی"، "رموز بے خودی" اور پھر 1932ء میں "جاوید نامہ" اور "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" کے ذریعے یہ غور و فکر اپنے ارتقائی مراحل طے کرتا ہے۔ اسرار خودی میں جمود اور پھر اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے انحطاط کے اصل اسباب کی طرف توجہ دلائی گئی اور عجمی و یونانی تصوف سے مسلمانوں میں جو بے عملی پیدا ہوئی اس کی مذمت کی۔ اسرارِ خودی کا بنیادی تصور خودی کی تعمیر اور اس کے نتیجے میں مرد مومن کی تشکیل ہے۔ "رموز بے خودی" میں اجتماعی اور تاریخی تناظر کو بیان کیا گیا ہے، جس میں انسان اپنا تعمیری کردار ادا کرتا ہے۔ اس میں اقبال خلافت الٰہی کی تشریح و توضیح مختلف حوالوں سے کرتے ہیں اور ملی شخصیت کی نمو میں تاریخ کے کردار پر روشنی ڈالتے ہیں۔ "جاوید نامہ" علامہ اقبال کے روحانی سفر کی داستان ہے۔ جس میں وہ مولانا جلال الدین رومی کی معیت میں عالمِ افلاک کی سیر کرتے ہیں اور مشرق و مغرب کی نمایاں شخصیات کی زبان سے مسلمانوں کے ماضی و استقبال اور عہدِ حاضر کے مسائل و افکار کو زیر بحث لاتے ہیں۔ "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق" میں تہذیب مغرب کے مضمرات و ثمرات کو بیان کیا ہے۔ مذہبی فکر کی تعمیرِ نو کے کام کے باقاعدہ آغاز سے پہلے یہ تمام کاوشیں اسی سلسلۂ فکر کی ابتدائی مگر انتہائی اہم کڑیاں ہیں۔ ان سب تصانیف کی اہمیت مسلمہ ہے۔ تاہم اقبال نے اپنے شہرۂ آفاق انگریزی خطبات میں جو ان کی کتاب "*The Reconstruction of Religious Thought in Islam*" میں شامل ہیں، جس طرح مذہب کی علمی و فلسفیانہ تعمیر نو کی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یہ خطبات اردو میں "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" کے نام سے موسوم ہیں۔ ان خطبات پر مشتمل کتاب کو فلسفیانہ نکتہ نظر سے دیکھا جائے یا مذہبی زاویہ نگاہ سے یا پھر عصر حاضر کے افکار کی کسوٹی پر پرکھا جائے، یہ ایک بے مثال اور جدت فکر کو دعوت دیتی ہمہ جہت تصنیف ہے۔ ان خطبات نے احیائے اسلام کی جدید تحریکات کو ایک فکری جہت عطا کی۔ انہوں نے ثابت کیا کہ اسلام روحانی دنیا کے ساتھ ساتھ مادی دنیا کو بطور حقیقت تسلیم کرتا ہے۔ اقبال نے ان خطبات میں مسلمانوں کی فلسفیانہ روایات اور علم انسانی کی مختلف اقالیم میں حالیہ پیش رفت کو سامنے رکھتے ہوئے افکار دینی کی تعمیر نو کرنے کی سعی کی ہے۔ بقول اقبال:

> In these lectures, which were undertaken at the request of the Madras Muslim Association and delivered at Madras, Hyderabad and Aligarh, I have tried to meet, even though partially, this urgent demand by attempting to reconstruct Muslim religious philosophy with due regard to the philosophical traditions of Islam and more recent developments in the various domains of human knowledge. [۱]

برصغیر میں مغل سلطنت کا 1857ء میں خاتمہ ہوا جب کہ ترکی میں سلطنت عثمانیہ کا زوال بھی 1924ء میں اپنی حتمی شکل اختیار کر گیا۔ ایسے وقت میں جب کہ ایک طرف خلافت انجام پذیر ہو چکی تھی اور دوسری طرف مذہب اور سائنس و ٹیکنالوجی کو دو انتہائیں سمجھا جا رہا تھا۔ جدت پسند اور قدامت پسند علوم جدیدہ اور مذہب میں مشرقین کا بُعد ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ فکری جمود کے اس انتہا پسندانہ ماحول میں دینی فکر کی نئی توضیح یا تشکیل کا تصور محال تھا۔ ایسے میں اقبال نے اس اہم کام کا بیڑہ اٹھایا۔ ایک زوال پذیر قوم اقبال کے سامنے تھی۔ اقبال اس کے زوال کے اسباب و علل پر غور کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے کہ عہدِ حاضر فکر اسلامی کی تشکیل نو کا مطالبہ کرتا ہے۔ کیونکہ اقبال کی فکر رسا نے آنے والے زمانے کے تقاضوں کو جان لیا تھا:

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اُس کا میرے آئینہ ادراک میں ہے(۲)

خطبات کا مقصد بنیادی طور پر زوال کے مرض کی تشخیص تھا۔ اس کے اسباب و علل کا جائزہ لیتے ہوئے اس زوال کے سد باب کا لائحہ عمل مرتب کرنا تھا۔ خطبات میں پہلی مرتبہ یہ باور کروایا گیا کہ کس طرح عجمی تصوف اسلامی اقدار کے لیے زہر ہلاہل ثابت ہوا اور ہنوز ہو رہا ہے۔ درحقیقت اسلامی تصوف کا نکتہ آغاز نہ تو مسیحیت ہے، نہ نو افلاطونیت، نہ بدھ مت، نہ ہندو مت اور نہ ہی فلسفہ عجم بلکہ اس کی اصل صرف اور صرف قرآن، حدیث اور سیرت مصطفیؐ ہے۔ مگر یہی تصوف جب عرب کی حدود سے نکل کر دور دراز علاقوں میں پھیلتا ہے تو اس پر کہیں مسیحیت، کہیں نو افلاطونیت کہیں بدھ مت اور کہیں ہندو مت اثر انداز ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

دقیق مطالعہ کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی تصوف پر سب سے زیادہ اثرات افلاطون کے "نظریہ تصورات" کے ہیں۔ ان اثرات کے سبب اسلام کے انتہائی سادہ اور آسان فہم عقیدہ توحید نے دقیق اور پیچیدہ نظریہ "وحدت الوجود" کا روپ دھار لیا۔ اس رجحان کو فروغ دینے میں شیخ محی الدین ابن عربی کی تعلیمات نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے اس نظریہ کے قبول عام کو اس معراج پر پہنچا دیا کہ یہ اسلامی تصوف کا اہم جزو بن گیا۔ انہوں نے اس سلسلہ کو اتنی وسعت دی کہ ان کے اپنے دور اور بعد کے دور کا کوئی صوفی کوئی شاعر اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکا۔

اقبال اس تصوف کے سخت خلاف تھے جو نفیٔ ذات اور نفیٔ حیات کا درس دے کر مسلمانوں میں بے عملی اور مایوسی کو جنم دے رہا تھا۔ چونکہ صوفیا عصر حاضر کے ذہن سے بالکل بے خبر تھے لہٰذا ان کی نفی خودی کی حامل فکر کسی طور پر اثر حاضر کے مسائل کا نہ تو شعور دے سکتی تھی اور نہ ہی ان کا خاطر خواہ حل پیش کر سکتی تھی۔ مسلمانوں نے اس غیر اسلامی تصوف کے زیر اثر پروان چڑھنے والے تصور حیات کو اپنا لیا، جو اسلام سے مختلف ہی نہیں بلکہ اس کی کھلی ضد تھا۔ اس یونانی اور عجمی تصوف نے تباہ کن اثرات پیدا کرتے ہوئے مسلمانوں میں فکری جمود اور انحطاط کو پروان چڑھایا۔ ترک دنیا ہی نہیں ترک حیات کے رجحان کو فروغ دیا اور رہبانیت کی راہیں استوار کیں۔ اقبال خطبات کے ذریعے اس عجمی اور یونانی تسلط سے آزاد کرواتے ہوئے فکر اسلامی کو خالص رنگ میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے اس مقصد کو بڑے واضح انداز میں بیان کرتے ہیں:

> Indeed my main purpose in these lectures has been to secure a vision of the spirit of Islam as emancipated from it's Magian overlayings. (۳)

علامہ اقبال کے نزدیک صوفیانہ مشاہدات اور مذہبی مشاہدات ہم معنی ہیں جب کہ صوفیا نے ان میں بُعد پیدا کر دیا۔ تصوف میں کار فرما رمزیت نے شرعی احکامات کے بارے میں بھی ابہام اور کسی حد تک بے اعتمادی پیدا کر دی۔ علامہ اقبال کو صوفیوں کی تعبیرات پر اعتراض تھا۔ وہ تصوف کی تعبیر انسانی نفسیات اور عہد حاضر کے تقاضوں کی روشنی میں کرنا چاہتے تھے۔ خطبات میں ان مقاصد کو وہ خاص طور پر سامنے رکھتے ہوئے عجمی تصوف پر تنقید کرتے ہیں۔ اقبال جب تمدن، تصوف، شریعت اور کلام سب کو بیک جنبش قلم بتان عجم کا پجاری قرار دیتے ہیں تو ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس طرح شریعت میں عجمی اثرات کی وجہ سے فقہی موشگافیوں نے اصل روح شریعت کو فنا کر دیا، اسی طرح تصوف عجمی اثرات کی وجہ سے اپنے اصل مقصد سے بہت دور چلا گیا۔ یعنی اقبال تصوف کی مذمت نہیں کرتے بلکہ اس میں پائی جانے والی اُن کمزوریوں اور خامیوں پر تنقید کرتے ہیں جو اُسے اسلامی نظریہ حیات سے متصادم کرتی ہیں:

> The more genuine schools of Sufism have, no doubt, done good work in shaping and directing the evolution of religious experience in Islam; but their latter-day representatives, owing to their ignorance of the modern mind, have become absolutely incapable of receiving any fresh inspiration from modern thought and experience. They are perpetuating methods which were created for generations possessing a cultural outlook differing, in important respects, from our own. (۴)

اقبال نے خطبات میں ان ضروریات اسلام کا ذکر کیا ہے جن کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ اقبال ان ضروریات سے نہ صرف بخوبی آگاہ تھے بلکہ خطبات میں بارہا ان ضروریات کا تذکرہ بھی کرتے ہیں اور کسی حد تک انھیں پورا کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ خطبات سے قبل اکبر الہ آبادی کے نام ایک خط میں اس کمی کو یوں بیان کرتے ہیں:

> " یہاں لاہور میں ضروریاتِ اسلام سے ایک بھی متنفس آگاہ نہیں۔۔۔ صوفیا کی دُوکانیں ہیں لیکن وہاں سیرتِ اسلامی کی متاع نہیں بکتی۔ '' (۵)

اقبال کا بنیادی تصور بالفاظ دیگر تمام تصورات کا ماٰخذ و منبع خودی ہے۔ لہذا اقبال انسان کو اللہ تعالیٰ کی سب سے اشرف اور سب سے با اختیار مخلوق کا درجہ دیتے ہوئے اس کے مقام دیرینہ کو متعین کرتے ہیں۔ وہ ایسے تصور کی مذمت کرتے ہیں جو نفیٔ ذات یا نفی خودی کی ترویج کرتا ہو۔ انسان جو وجہ تخلیقِ کائنات ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی ذات کی نفی کر کے اس کائنات یا فطرت کا مطالعہ کیا جائے۔ اقبال خطبات میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ حقیقت مطلق تک رسائی کا ذریعہ تکمیل خودی ہے، نہ کہ نفی خودی۔ خطبات میں اس حوالے سے اقبال بیان کرتے ہیں:

> It is highly improbable that a being whose evolution has taken millions of years should be thrown away as a thingof no use. But it is only as an ever_growing ego that he can belong to the meaning of the universe. (۶)

جہاں ایک طرف صوفیا کی طرز فکر و نظر، فکر اسلامی کی تشکیل نو کی ضرورت کی راہیں ہموار کر رہی تھی۔ وہاں علما کا رویہ بھی روح اسلام کے منافی تھا۔ عام مسلمان مناسب رہنمائی نہ ہونے کے سبب جانے انجانے میں اسلام سے دور ہوتے جارہے تھے۔ چونکہ علما خود اسلام کی اصل روح سے بیگانہ ہونے کے ساتھ ساتھ علوم جدیدہ سے قطعاً نا آشنا تھے اندھی تقلید کرتے اور اندھی تقلید کا درس

دیتے نظر آتے تھے۔ لہٰذا اقبال نے خطبات میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے کہ مذہبی عقائد ہوں یا سائنسی اصول دین اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ اس کے مبادی کی بنیاد عقل اور حقائق پر ہو نہ کہ اندھی تقلید پر۔ جب کہ علما کا مخصوص طبقہ کسی بھی تبدیلی کو قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ ہر نئی بات اور نئے انداز فکر کو تباہی کا پیش خیمہ سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں ماضی کی روایت کو غیر مبدل جانتے ہوئے سینے سے لگائے رکھنے میں ہی عافیت تھی۔ جب کہ اقبال خطبات میں واضح طور پر بیان کرتے ہیں کہ اندھی فدویانہ بلکہ غلامانہ تقلید اسلام کے اصول حرکت کے منافی ہے۔ علما نے اسلام کو بند گلی بنا دیا تھا، چونکہ انھیں اسلام کی وسعت اور ہمہ گیریت کا خود بھی احساس نہیں تھا۔ لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کو بھی اسی طرح کی تعلیمات دے کر دین اور دنیا کو متحارب گروپ بنا دیا۔
اقبال نہ صرف خطبات بلکہ کلام میں بھی تقلید کی مذمت کرتے ہیں:

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خود کشی
رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے(۷)

———

اگر تقلید بو دے شیوۂ خوب
پیمبر ہم رہ اجداد رفتے(۸)

علما کے اس رویے کے حوالے سے اقبال اپنے خطبات میں رقم طراز ہیں:

> I know the Ulema of Islam claim finality for the popular schools of Muhammadan Law, though they never found it possible to deny the theoretical possibility of a complete Ijtihad. I have tried to explain the causes which, in my opinion, determined this attitude of the Ulema. (۹)

اصل المیہ یہ تھا کہ ہندوستان کے بیشتر علما کی اسلام کے بارے میں سوجھ بوجھ کا زاویہ فکر مخصوص روایتی انداز کا حامل تھا۔ جو جید علما تھے وہ دینی درسگاہوں میں اچھے استاد کے فرائض تو انجام دے رہے تھے، مگر قوم کی فکری پرداخت اور ارتقائے فکر کی نشوونما میں ان کی کوئی قابل قدر کوشش نظر نہیں آتی تھی۔ وہ مذہب کو معاشیات، سماجیات اور سیاسیات سے علیحدہ شعبہ سمجھتے تھے۔ علما کے اس انتہا پسندانہ رویے نے غیر یقینی صورت حال پیدا کر کے اسلام کی وسعت اور آفاقیت کے حوالے سے شکوک وشبہات پیدا کر دیے۔

اقبال کا خیال ہے کہ اسلام تمام پیش آمدہ مسائل کے حل کی صلاحیت رکھتا ہے، لہٰذا اس کے اصول ومبادی کو غیر مبدل قرار دے کر اسے ایک مخصوص عہد کے لیے فعال قرار دینا گویا آنے والے وقتوں کے لیے اس کی فعالیت کی نفی کے مترادف ہے۔ اقبال علما کے اس غیر مبدل اور جامد رویے کی نفی کرتے ہیں۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ کیا اسلام کی روایت میں یہ غیر مبدل رویہ موجود تھا اور پھر خود ہی نفی میں جواب دیتے ہیں:

> Did the founders of our schools ever claim finality for their reasonings and interpretations? Never. (۱۰)

مذہب کے بارے میں یہ تاثر قائم ہو چکا تھا کہ مذہب عہد حاضر کے مسائل سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت سے محروم ہے۔ جب کہ سائنس اور فلسفہ نہ صرف یہ کہ بدلتے وقت کے تقاضوں کا شعور رکھتے ہیں بلکہ ان تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ اقبال نے خطبات میں بڑے واضح انداز میں مذہب کو سائنس اور فلسفہ پر فوقیت دی ہے۔ اقبال کے نزدیک

مختلف سائنسی اور فلسفیانہ علوم کائنات کے مختلف شعبوں کا مطالعہ ومشاہدہ کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ کائنات، زندگی اور حقیقت مطلقہ تک جزوی رسائی رکھتے ہیں۔ چونکہ رسائی محدود ہے لہذا وضاحت بھی جزوی رہ جاتی ہے۔ ہر علم ایک مخصوص شعبے کے حوالے سے معلومات فراہم کرتا ہے۔ جیسے علم نباتات، نباتات کے حوالے سے اور علم حیوانات، حیوانات کے حوالے سے معلومات فراہم کرتے ہیں۔ جب کہ اس کے برعکس دین حیات وکائنات کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ خواہ وہ روحانی ہوں یا مادی، باطنی ہوں یا ظاہری۔ اس حوالہ سے کہا جا سکتا ہے کہ سائنس جزو ہے اور دین کل۔ اقبال کے نزدیک اگر فلسفہ اور سائنس سے رجوع کیا بھی جاتا ہے تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ جزو کو کل پر برتری حاصل ہے، اقبال فلسفہ وسائنس کو محدود جب کہ مذہب کو لا محدود قرار دیتے ہوئے اس علم کو تمام علوم پر فوقیت دیتے ہیں۔ اقبال اپنے خطبات میں برملا کہتے ہیں کہ دین زندگی کا کوئی مخصوص شعبہ نہیں بلکہ مکمل زندگی ہے:

> While sitting in judgement on religion, philosophy can not give religion an inferior place among its data. Religion is not a departmental affair; it is neither mere thought, nor mere feeling, nor mere action; it is an expression of the whole man. (۱۱)

اقبال اپنے خطبات میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

> Science must necessarily select for study certain specific aspects of Reality only and exclude others. (۱۲)

اقبال کسی طور پر بھی دین ودنیا کی جدائی کے قائل نہیں۔ مغرب میں دین ودنیا کو دو علیحدہ علیحدہ خانوں میں رکھنے کا رجحان موجود تھا۔ لیکن ازروئے اسلام دین کا تعلق زندگی میں صرف عبادات سے نہیں بلکہ تمام شعبہ ہائے زندگی سے ہے۔ اسلام میں اصلاح کی جتنی بھی جہتیں متعین کی گئی ہیں وہ دین ودنیا کی یکجائی پر مشتمل ہیں۔ زندگی کا کوئی بھی شعبہ خواہ سیاست ہو یا معیشت، تجارت ہو یا معاشرت، مذہب ایک بنیادی حوالے کے طور پر موجود رہتا ہے۔ گویا خطبات، حیات کے مادی اور باطنی پہلوؤں میں توازن کے ادراک کی ایک کوشش ہے۔ کیونکہ یہ مادی اور باطنی پہلو متوازی چلتے ہیں۔ دین اور دنیا میں دوئی کی اسلام میں ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ اس حوالے سے اقبال کے اشعار ملاحظہ ہوں:

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری ، ہوس کی وزیری
دوئی ملک و دیں کے لیے نامرادی
دوئی چشم تہذیب کی نابصیری(13)

یہی فکر ہمیں اقبال کے خطبات میں بھی گامزن نظر آتی ہے:

> Now the structure of Islam as a religio_political system, no doubt, does permit such a view, though personally I think it is a mistake to suppose that the idea of state is more dominant and rules all other ideas embodied in the system of Islam. In Islam the spiritual and the temporal are not two distinct domains. (۱۴)

قرآن کتابِ ہدایت ہے، اس کی آیات منجمد ذہنوں کی مذمت کرتی ہیں جب کہ علما اور صوفیا نے غور وفکر کی گنجائش ہی نہ رہنے دی۔ انہوں نے قرآن کو ایک ایسی کتاب کی صورت میں پیش کیا کہ جس کی تعلیمات اپنی افادیت کھو بیٹھی ہیں جب کہ قرآن

زمان و مکاں سے ماورا انسانوں کی ہدایت کا فریضہ انجام دے رہا ہے اور دیتا رہے گا۔ انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کے بارے میں قرآن کریم میں ہدایت موجود نہ ہو۔ خطبات کا مقصد فلسفہ پیش کرنا نہیں بلکہ قرآن کی جدیدیت کو پیش کرنا ہے۔ قرآن پاک وہ واحد کتاب ہے، جس میں گزرے زمانے کی تاریخ کے ساتھ ساتھ آنے والے زمانوں کے مسائل کا حل بھی موجود ہے۔ لیکن علما و صوفیا نے دراصل قرآنی تعلیمات کو اس انداز میں پیش کیا کہ اس کے اپنے ماننے والوں کے ذہن تشکیک کا شکار ہو گئے کہ یہ تعلیمات مخصوص خطے اور مخصوص حالات کے لیے تھیں۔ لہٰذا آج کے عہد کے مسائل کا حل ان تعلیمات کی روشنی میں تلاش کرنا مناسب نہیں۔ اس کے مقابلے میں علوم جدیدہ کی آواز پر لبیک کہنا منزل مقصود تک رسائی کی ضمانت ہے۔ اس تصور نے مسلمانوں میں احساس کمتری پیدا کر کے انھیں شدید قسم کے احساس محرومی سے دوچار کر دیا۔ اقبال نے جب محسوس کیا کہ یہ احساس محرومی مسلمانوں کو بے عملی اور بد دلی کی طرف راغب کر رہا ہے تو انہوں نے قرآنی تعلیمات کی عہد جدید کے مطابق توضیح پر زور دیا اور ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قرآن میں ہر دور کے لیے آبگینے موجود ہیں۔

اقبال کے خیال میں قومی انحطاط کا اصل سبب قرآنی تعلیمات سے دوری تھی۔ قرآن کے درست مفہوم یا بالفاظ دیگر مذہبی مسائل کو سمجھنے کے لیے ایک خاص ذہنی تربیت کی ضرورت تھی۔ بد قسمتی سے ہمارے علما یہ ذمہ داری احسن طریقے سے نہ نبھا سکے۔ اقبال نے خطبات کے آغاز میں بتا دیا ہے کہ قرآن تصور اور عقیدے سے زیادہ عمل پر زور دیتا ہے اقبال فرماتے ہیں:

> The Qur'an is a book which emphasizes 'deed' rather than 'idea'.(۱۵)

اقبال کے نزدیک قرآن نے کائنات کے خارجی مظاہر کے مطالعہ پر زور دے کر مسلمانوں کے اندر سائنسی انداز فکر کو بیدار کیا اور اسی کے نتیجہ میں مسلمان جدید سائنس کے بانی بنے۔ مسلمانوں نے قرآنی تعلیمات پر عمل کر کے دیگر علوم میں مہارت حاصل کی اور ان کو فروغ دیا جب کہ یورپ میں اس وقت جہالت کا دور دورہ تھا۔ اقبال کے نزدیک قرآن نے مسلمانوں کو تجرباتی طریقِ کار کا عادی بنا کر کائنات کے اسرار و رموز کا محرم بنایا۔ اقبال اپنے خطبات میں ارشاد فرماتے ہیں:

> No doubt, the immediate purpose of the Qur'an in this reflective observation of Nature is to awaken in man the consciousness of that of which Nature is regarded a symbol. But the point to note is the general empirical attitude of the Qur'an which engendered in its followers a feeling of reverence for the actual and ultimately made them the founders of modern science. (۱۶)

کیونکہ اقبال کا یہ واضح عقیدہ تھا کہ:

> " قرآن کریم کی تعلیم، محض کسی ایک زمانے اور ایک قوم کے لیے نہیں ہے، ہر زمانہ جب اس میں غوطہ لگائے گا تو اس کو نئے آبدار موتی ملیں گے۔ '' (۱۷)

بقول اقبال:

صد جہاں تازہ در آیات اوست
عصر ہا پیچیدہ در آنات اوست(۱۸)

اسی حوالے سے اقبال خطبات میں ایک اور جگہ رقم طراز ہیں:

> The teachings of the Qur'an that life is a process of progressive creation necessitates that each generation, guided but unhampered by the work of its predecessors, should be permitted to solve its own problems. (۱۹)

دراصل خطبات اہل مغرب کے اس اعتراض کا بھی جواب تھے کہ اسلام میں اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اسلام چونکہ فطری ارتقا سے محروم ہے لہذا اب اس میں زمانے کے ساتھ چلنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ جب کہ اقبال خطبات میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو معاشرت اور حالات کی تبدیلی سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے کچھ اختیار دے رکھا ہے۔ اسی اختیار کی بنا پر شروع کے چار سو سال میں ہمارے فقیہوں نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی اور بدلتی ہوئی معاشرتی، تمدنی اور سماجی ضروریات کے مطابق جامع قانون وضع کیے۔ ان قوانین کی مدد سے ہر عہد کے مسائل کو ان کی ضرورت کے مطابق حل کیا گیا، لیکن بعد ازاں سیاسی ابتری کی وجہ سے جمود کی جو کیفیت طاری ہوئی اس نے سب سے زیادہ اجتہاد کے کام کو متاثر کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر قوم کے کچھ بنیادی عقائد و تصورات ہوتے ہیں۔ لہذا کوئی بھی تبدیلی اس وقت تک قابل قبول نہیں ہوتی جب تک ان اساسی اور دوامی بنیادوں کو مدِ نظر رکھ کر نہ کی جائے۔ اس حوالے سے اقبال اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

> " اقوام کی زندگی میں قدیم ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ جدید، یعنی جہاں جدید کی ضرورت ہے وہاں قدیم سے بھی بے اعتنائی نہیں برتی جا سکتی، درحقیقت یہ جدید تو اسی قدیم کی نئی تعبیر ہے، اسلامی معاشرے میں تجدید کا کام بہت سی مشکلات سے گھرا ہوا ہے اور اس لیے یہ کام سرانجام دینے والوں کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ '' (۲۰)

بلا شبہ اسلام کے اصول دوامی ہیں مگر کہیں بھی اسلام اجازت نہیں دیتا کہ تغیر و تبدل اور ارتقا کے امکانات کی نفی کی جائے۔ یہ تغیر و تبدل دراصل اصول حرکت کی وہ قسم ہے جسے اجتہاد کا نام دیا گیا ہے:

> A society based on such a conception of Reality must reconcile, in its life, the categories of permanence and change. It must possess eternal principles to regulate its collective life, for the eternal gives us a foothold in the world of perpetual change. But eternal principles when they are understood to exclude all possibilities of change which, according to the Qur'an is one of the greatest "signs" of God, tend to immobilize what is essentially mobile in its nature. The failure of Europe in political and social sciences illustrates the former principle, the immobility of Islam during the last five hundred years illustrates the latter. (۲۱)

دین اسلام کے حوالے سے اقبال کا یہ پختہ ایمان تھا کہ یہ ایک متحرک اور آفاقی مذہب ہے۔ اس میں ارتقاء پذیری کی صلاحیت موجود ہے۔ اس لیے وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہم قرآنی تعلیمات کا آفاقی تناظر میں اس حوالے سے جائزہ لیں کہ ان کی اہمیت و افادیت کس طرح ہر دور میں تسلی بخش ہے۔ ہم زندگی کے بدلتے ہوئے حالات کو اس طرح قرآن و سنت میں تلاش کریں کہ اس میں ابدیت کا پہلو کھل کر سامنے آ جائے۔ اقبال کے نزدیک اسلام میں کائنات کی بدلتی ہوئی حالتوں کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ لہذا اسلام کے حوالے سے یہ کہنا کہ اس میں اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے، غلط ہے۔ اقبال اپنے خطبات میں اجتہاد کی ضرورت پر بہت زور دیتے ہیں۔ اقبال نے خطبات میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام اپنے بنیادی اصول و قواعد کے اعتبار سے تغیر و ارتقا کی صلاحیت سے محروم نہیں ہے اور اس کی ساخت میں نشو و نما کے عناصر مفقود نہیں ہیں۔ اس کے اجارہ داروں نے اس کو پیش ہی اس

طرح کیا کہ اس کا مفہوم اپنی اصل سے دور ہو گیا۔ اقبال اسلام کی ارتقاپذیری کو بیان کرتے ہوئے اجتہاد کی اہمیت پر زور دیتے ہیں وہ فکر اسلامی کی تشکیل نو کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> The only course open to us is to approach modern knowledge with a respectful but independent attitude and to appreciate the teachings of Islam in the light of that knowledge, even though we may be led to differ from those who have gone before us. This I propose to do in regard to the subject of the present lecture. (۲۲)

فکری ارتقا کو اقبال کے کلام اور خطبات دونوں میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ علامہ اقبال اس حوالے سے سائنسی علوم میں ہونے والی ارتقائی تبدیلیوں کی مثال پیش کرتے ہیں۔ اقبال خاص طور پر جدید طبعیات کے میدان میں ہونے والی انقلابی تبدیلیوں سے بہت متاثر تھے، کہ کس طرح طبعیات نے خود اپنے مفروضات کو تنقید کا نشانہ بنا کر ترقی کی راہیں استوار کیں۔ گویا ثابت ہو گیا کہ اب قدیم طرز کی مادیت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ بیسویں صدی بلا شبہ سائنس کی ترقی کے حوالے سے اہم تھی۔ آئن سٹائن (Einstein) کی تھیوری تجربے سے ثابت ہو چکی تھی اور یہ سچ ہے کہ اس تھیوری کی وجہ سے نیوٹن (Newton) کی تھیوری ناکام ہو گئی جو کہ دو صدیوں سے کامیاب تھی۔ لیکن دوسری طرف یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ سائنس اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی خود اصلاح کر سکتی ہے۔ اقبال نے بھی اس بات کو شدت سے محسوس کیا کہ قطعیت نام کی کوئی چیز فلسفیانہ فکر قبول نہیں کر سکتی اور جب علم کے نئے نئے راستے نکلتے ہیں تو فلسفیانہ فکر میں بھی زیادہ گہرائی، وسعت اور آفاقیت پیدا ہوتی ہے۔ بقول اقبال:

> Further, the application of the mechanistic concepts to life, necessitating the view that intellect itself is a product of evolution, brings science into conflict with its own objective principle of investigation. (۲۳)

اقبال مغربیت اور اس کے بطن سے پیدا ہونے والی مختلف تحریکوں یعنی لادینیت، مادیت پسندی، قومیت پرستی، سرمایہ داری، اشتراکیت اور اباحیت پسندی سے متاثر ہوتے ہوئے مسلمانوں کے لیے بہت فکر مند تھے۔ مغربی تہذیب دین سمیت زندگی کے سبھی شعبوں میں مسلمانوں کو خرافات کا شکار کر رہی تھی۔ اقبال کے نزدیک تہذیب مغرب کی پیروی میں پیدا ہونے والی روشن خیالی اگر ان حدود سے تجاوز کر جائے جو اسلام نے متعین کی ہیں تو یہ روشن خیالی عہد حاضر کے مسائل کا شعور دینے کی بجائے تفرقے اور انتشار کی بنیاد بن جائے گی۔ مغرب کی طرف اس بلا جواز رجحان اور اندھا دھند تقلید سے امت مسلمہ کو دور رکھنے کا صرف ایک ہی حل تھا کہ اسلام کو اس کی اصل صورت میں دوبارہ پیش کیا جائے۔ تا کہ مغربی تہذیب کے جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری سے متاثر ہو کر مسلمان اپنی اصل سے دور نہ ہو جائیں۔

اقبال کے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ مغربی تہذیب سے جو صورت حال پیدا ہو چکی ہے اسے پیش نظر رکھ کر اسلام کی تشریح و توضیح کی جائے۔ اقبال کا خیال تھا کہ اب گہرائی میں جا کر دیکھنا پڑے گا کہ اسلامی تہذیب اپنی اصل کے اعتبار سے مغربی تہذیب کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں؟۔ یعنی اقبال کے نزدیک مغربی تہذیب کے ظاہری پہلوؤں یعنی لباس و طعام کا جواز ہی پیدا نہیں کرنا بلکہ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ حیات و کائنات، زمان و مکاں، افعال فطرت اور روح و مادہ کے روایتی تصورات جو ہماری تہذیب میں موجود ہیں انہیں از سر نو اس طرح مرتب کیا جائے کہ ہم مغربی تہذیب کی خوبیوں سے بھرپور فائدہ اٹھا سکیں۔

با الفاظ دیگر اقبال کے نزدیک تہذیب مغرب کے مثبت پہلوؤں سے مستفید ہونا وقت کی ضرورت ہے، لیکن یہ استفادہ اسی صورت ممکن ہے جب ایک نئی الٰہیات کی تشکیل کی جائے:

> During the last five hundred years religious thought in Islam has been practically stationary. There was a time when European thought received inspiration from the world of Islam. The most remarkable phenomenon of modern history, however, is the enormous rapidity with which the world of Islam is spiritually moving towards the West. There is nothing wrong in this movement, for European culture, on its intellectual side, is only a further development of some of the most important phases of the culture of Islam. Our only fear is that dazzling exterior of European culture may arrest our movement and we may fail to reach the true inwardness of that culture. (۲۴)

بظاہر مغربی تہذیب کا دیگر تہذیبوں پر برتری کا اصل سبب سائنس اور ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ فکری ارتقا میں پوشیدہ تھا، مگر اقبال کے نزدیک اگر غور کیا جائے تو یورپی تہذیب ایک وقت تک خود بھی جمود کا شکار تھی، اس کی ترقی رک چکی تھی۔ مگر جب اس نے اسلام کے فکری نظام اور ضابطہ حیات سے خوشہ چینی کی تو اس کے تن مردہ میں حرارت پیدا ہوئی اور ترقی کے دروازے کھلنے لگے۔ لہٰذا اس حقیقت سے کسی طور انکار ممکن نہیں کہ مغربی تہذیب کے ارتقایا موجودہ ترقی یافتہ شکل میں بہت کچھ اسلامی تہذیب کا حصہ ہے۔ اقبال مغرب کے رجحان کو اسلام کی ہی توسیعی شکل قرار دیتے ہیں۔ اقبال نے واشگاف الفاظ میں اگر تہذیب مغرب کو جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری کہا تو ساتھ ساتھ یہ احساس بھی دلایا کہ اس میں کچھ سچے اور کھرے موتی بھی ہیں اور یہ وہی موتی ہیں جو تہذیب اسلامی سے مستعار لیے گئے ہیں، بقول اقبال:

> It was not science which brought Europe back to life. Other and manifold influences from the civilization of Islam communicated its first glow to European life. (۲۵)

اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ اقبال کے عہد کا انسان خوگر پیکر محسوس تھا وہ اسی علم کو کامل سمجھتا تھا جو حواس کی بدولت حاصل ہو۔ لہٰذا وہ جدید علوم میں سائنس اور فلسفہ کا قائل ہو چکا تھا۔ وہ باطنی واردات کا قائل نہیں رہا تھا۔ اقبال خود شکوہ میں فرماتے ہیں:

خوگر پیکر محسوس تھی انساں کی نظر
پھر کوئی مانتا ان دیکھے خدا کو کیوں کر (۲۶)

بقول ڈاکٹر محمد آصف اعوان:

> ” دورِ حاضر میں جدید انسان نے "Concrete habit of thought"یعنی حسی معیارات کے مطابق سوچنے کی عادت پختہ کر لی ہے۔ حسی معیارات کے مطابق سوچنے سے مراد یہ ہے کہ جدید انسان صرف اُس چیز پر یقین رکھتا ہے جسے ظاہری حواس میں سے کسی حس کے معیار پر پرکھا اور محسوس کیا جا سکے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عقیدہ و ایمان اور مذہب وغیرہ کی باتیں دورِ حاضر کے انسان کے لیے تاوقت بے معنی اور وہم و گمان ہی رہیں گی جب تک انھیں ظاہری

حواس کو اپیل اور متاثر (Impress) کرنے والے ٹھوس دلائل اور جدید علمی اصطلاحات کے رنگ میں نہ پیش کیا جائے۔'' (۲۷)

گویا عہد جدید تقاضا کرتا تھا کہ مذہبی علم کو سائنسی زبان میں سمجھا جائے۔ خطبات دراصل اسی مقصد کے پیش نظر مرتب کیے گئے۔ اقبال کے خیال میں سائنس، کائنات اور زندگی کے تمام معاملات کا احاطہ نہ کرنے کے باوجود تحقیق پر زور دیتی ہے۔ اس بنیاد پر مذہبی حقائق کا علمی اور سائنسی بنیادوں پر مطالعہ اور زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ کیونکہ مذہب کا دائرہ کار سائنس سے زیادہ وسیع، ہمہ گیر اور آفاقی نوعیت کا ہوتا ہے۔ انسان نے کائنات کی مختلف طاقتوں کو مسخر کر کے عقل کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔ انسان مذہب کے پیش کردہ حقائق کی عقلی تعبیر طلب کرتا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی مذہب الٰہیاتی ہے تو اسے اس عقلی تعبیر کے مطالعے کو پورا کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں ہونی چاہیے۔

چونکہ عہد اقبال میں اسلام کو اس طرح پیش کیا جا رہا تھا کہ اس میں اتنی لچک، اتنی ہمہ گیریت ہی نہیں ہے کہ یہ جدید سائنسی علوم سے ہم آہنگ ہو سکے۔ یہاں پر اقبال سامنے آئے اور خطبات میں اس پہلو کو بڑی وضاحت اور صراحت سے بیان کیا کہ سائنس اور مذہب باہم متصادم نہیں ہیں اور نہ ہی یہ ہم آہنگی اسلام کے منافی ہے۔ اقبال نہ صرف ان دونوں میں ہم آہنگی پیش کرنے کے متمنی نظر آتے ہیں بلکہ اسلام کی ارتقا پذیری کو بھی ثابت کرنے کے لیے مذہبی حقائق کی عقلی اور سائنسی توجیہات کو وقت کی اشد ضرورت قرار دیتے ہیں:

> And the present moment is quite favourable for such an undertaking. Classical Physics has learned to criticize its own foundations. As a result of this criticism the kind of materialism, which it originally necessitated, is rapidly disappearing; and the day is not far off when Religion and Science may discover hitherto unsuspected mutual harmonies. (۲۷)

اقبال نے اسلام کے بنیادی ڈھانچے کا مطالعہ کیا کہ اسلام جو بہترین نظام ہے وہ بتاتا ہے کہ کہاں استقامت ضروری ہے اور کہاں تبدیلی کی گنجائش ہے۔ خطبات میں دراصل مغرب کے نظام فکر کو مد نظر رکھتے ہوئے انسان، کائنات اور خدا کے بارے میں اسلامی تصور کی اصل صورت پیش کی ہے۔ لہٰذا اسے بجا طور پر عہد حاضر کا علم الکلام یا جدید الٰہیات کہا جا سکتا ہے۔ اقبال نے دراصل یورپی علوم اور اسلام کے درمیان پل بنانے کی کوشش کی ہے تاکہ مغرب کی وہ چیزیں جو عہد حاضر کے تناظر میں ضروری ہیں ان کا اسلام کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور اگر قبولیت کی گنجائش بنتی ہے تو انہیں قبول کر لیا جائے۔ گویا علامہ اقبال خطبات میں اسلام کو بنیاد بناتے ہوئے رد و قبول کا ایک نیا نظام وضع کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف مغرب کے ہر اصول کو اسلام کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں بلکہ اہل اسلام کے انداز فکر کو بھی نئے سرے سے اسلام کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں۔ اور اس کے مردہ اور غیر فعال حصے کو ترک کر کے جدید عہد کے علوم سے ہم آہنگ ہونے کی ترغیب دیتے ہیں۔ اقبال کا رویہ انتہائی محتاط ہونے کے باوجود کہیں بھی معذرت خواہانہ نظر نہیں آتا بلکہ قائدانہ ہی دکھائی دیتا ہے۔ خطبات بلاشبہ ایک عظیم کارنامہ اور ایک نئی فکری روایت کا آغاز ہیں، بقول سہیل عمر:

> ''یہ ایک بڑے کام کا لمحہ آغاز تھا۔ دورِ جدید اور فکرِ معاصر کے سامنے مغرب کی یلغار کے جلو میں اسلام کی فکری تعبیرِ نو، ایسی تعبیر جو ایک طرف اپنی اصل کی وفادار ہو اور دوسری جانب تقاضائے وقت، احتیاجِ مخاطبین اور علمی مسائل سے بخوبی عہدہ بر آ ہو سکے۔ علامہ نے اس کام کی دورِ جدید میں سب سے زیادہ کامیابی سے بنیاد رکھی۔'' (۲۹)

خطبات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ سوال اٹھتا ہے کہ تشکیل نو کے مقصد کے لیے اردو زبان اور شاعری کا انتخاب کیوں نہ کیا گیا؟ دراصل خطبات ان سوالات اور اعتراضات کا جواب ہیں جو مسلمانوں کے ایک مخصوص طبقے کی طرف سے عموماً اور اہل مغرب کی طرف سے خصوصاً اسلام پر وارد کیے گئے۔ ان اعتراضات کا جواب چونکہ دلیل سے دیا گیا۔ لہٰذا دلیل کے لیے نثر کا پیرایہ زیادہ موثر سمجھا جاتا ہے۔ دوسرا یہ امر ملحوظِ خاطر تھا کہ چونکہ اعتراضات اہل مغرب کی طرف سے آئے ہیں لہذا ان کا جواب بھی ان ہی کی زبان میں دینا ضروری تھا۔ اقبال کا مقصد اسلام کی آفاقیت بیان کرنا تھا۔ اہل مغرب کے سامنے اس آفاقیت کو ان کی زبان میں پیش کر کے ہی خاطر خواہ نتائج حاصل کیے جاسکتے تھے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ شعری فکر کی بنیاد جمالیاتی اور علامتی ہوتی ہے، جب کہ اس کے بر عکس نثری تحریر میں کار فرما فکر ریاضیاتی اور منطقی ہوتی ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو شاعری چونکہ شعری معیارات کو مد نظر رکھ کر کی جاتی ہے، لہٰذا خالص ذہنی عمل نہیں رہتی۔ اس لیے نثری ذرائع اظہار کے لیے جس حد تک معاون ہوتے ہیں شاعری اس معیار پر پورا نہیں اترتی۔ شاعری میں ابہام ہوتا ہے جب کہ نثر میں تشریح و توضیح ہوتی ہے۔ اقبال نے فکر اسلام کی تشکیل نو کے لیے نثر کو ذریعہ اظہار بنایا کیونکہ بنیادی مقصد تشریح و توضیح ہی تھا۔ اقبال خطبات میں اس بات کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

> These questions are common to religion, philosophy, and higher poetry but the kind of knowledge that poetic inspiration brings is essentially individual in its character; it is figurative, vague, and indefinite. Religion in its more advanced forms, rises higher than poetry. (۳۰)

خطباتِ اقبال کا مطالعہ صرف فکرِ اقبال سے شناسائی کے لیے ہی ضروری نہیں بلکہ اس میں بہت اہم تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ اُن تجاویز کی اہمیت پر بصد افسوس آج تک غور نہیں کیا گیا۔ اقبال شاعرِ فرداتھے۔ اُن کے خطبات کی اہمیت صرف اس خاص عہد کے لیے نہیں تھی بلکہ وہ اجتہاد اور ارتقا کی ایک روایت کے بانی ہیں۔ اب یہ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ان کی پیش کردہ تجاویز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مزید تحقیق کریں۔ اس سلسلہ کو آگے بڑھائیں، نامکمل کی تکمیل کریں، کیونکہ اقبال خود کہہ گئے ہیں کہ یہ خطبات حرفِ آخر نہیں ہیں:

> It must, however, be remembered that there is no such thing as finality in philosophical thinking. As knowledge advances and fresh avenues of thought are opened, other views, and probably sounder views than those set forth in these lectures, are possible. Our duty is carefully to watch the progress of human thought, and to maintain an independent critical attitude towards it. (۳۱)

بلاشبہ جو علمی، معاشرتی، اخلاقی اور سیاسی مسائل آج کے مسلمانوں کو درپیش ہیں اور جس ابتلا کے دور سے عالمِ اسلام گزر رہا ہے اس کی بنیادی وجہ اسلام سے دوری یا بالفاظ دیگر اسلام کے اصل مفہوم تک رسائی نہ ہونا ہے۔ اصل مفہوم تک رسائی کے راستے میں جو بڑی رکاوٹیں ہیں اُن کی علامہ اقبال نے نشان دہی بڑی وضاحت اور صراحت سے کر دی ہے لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ عصرِ حاضر میں مسلمانوں کو درپیش مسائل کے حل کے لیے اقبال کی فکرِ اسلامی کے حوالے سے بصیرت سے بڑھ کر کوئی اور چیز رہنمائی نہیں کر سکتی تو بے جا نہ ہو گا۔ خطباتِ اقبال نے فکرِ اسلامی کی تشکیلِ نو کی جس ضرورت کا احساس دلایا ہے یہ صرف اُس مخصوص عہد کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر آنے والے عہد کا تقاضا ہے۔ اقبال نے اس روایت کا آغاز بطریق احسن کر دیا ہے اب آئندہ نسلوں کو اقبال

کے تتبع میں یہ ثابت کرنا ہے کہ اسلام ایک ماورائے زمان و مکاں مذہب ہے۔ جس کے افکار و نظریات میں اتنی وسعت اور ہمہ گیریت ہے کہ وہ بدلتے وقت کے تمام تقاضوں پر نہ صرف پورا اتر سکتا ہے بلکہ ہادی ور ہبر زمانہ کا کردار بھی بخوبی ادا کر سکتا ہے۔

******

حوالہ جات

1. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. Lahore: Iqbal Academy. 1st Edition. 2011. *Preface.*
2. محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص: ۳۹۲
3. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. P-114
4. Ibid. *Preface*
5. مظفر برنی، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد دوم، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۹ء، ص: ۴۸
6. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. P-95
7. محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال اُردو، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۳۳
8. محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال فارسی، ص: ۳۹۲
9. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. P-133
10. Ibid. P-134
11. Ibid. P-2
12. Ibid. P 90
13. محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال اردو، ص: ۴۴۴
14. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. P-122
15. Ibid. *Preface*
16. Ibid. P 11
17. عبدالحکیم، خلیفہ، اقبال اور مُلا، لاہور: بزمِ اقبال، س ن، ص: ۵
18. محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال فارسی، ص: ۶۵۴
19. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. P-134
20. گوہر نوشاہی، مرتبہ: مطالعہ اقبال، منتخبہ مقالات، مجلہ اقبال، لاہور: بزمِ اقبال، ۱۹۷۱ء، ص: ۲۴
21. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. P 117
22. Ibid. P 78
23. Ibid. P 36
24. Ibid. P 6
25. Ibid. P 104
26. محمد اقبال، علامہ، کلیاتِ اقبال اردو، ص: ۱۹۱

27. محمد آصف اعوان، ڈاکٹر، معارف خطباتِ اقبال، لاہور: نشریات، ۲۰۰۹ء، ص:۸
28. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. *Preface*
29. سہیل عمر، خطباتِ اقبال نئے تناظر میں، لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۰۸ء، ص:۱۷۲
30. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. P-1
31. Ibid. *Preface*

References

1. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. Lahore: Iqbal Academy. 1st Edition. 2011. *Preface.*
2. Muhammad Iqbal, Allama. *Kuliyate Iqbal (Urdu)*. Lahore: Iqbal Academy. 1990. P 392
3. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. P-114
4. Ibid. *Preface*
5. Muzzafar Barni. *Kuliyate Makateebe Iqbal*. Vol: 2. Dehli: Urdu Academy. 1999. P-48
6. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. P-95
7. Muhammad Iqbal, Allama. *Kuliyate Iqbal (Urdu)*. P 133
8. Muhammad Iqbal, Allama. *Kuliyate Iqbal (Persian)*. P 392
9. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. P-133
10. Ibid. P-134
11. Ibid. P-2
12. Ibid. P 90
13. Muhammad Iqbal, Allama. *Kuliyate Iqbal (Urdu)*. P 444
14. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. P-122
15. Ibid. *Preface*
16. Ibid. P 11
17. Abdul Hakim, Khalifa. *Iqbal Aur Mullah.* Lahore: Bazme Iqbal. P 5
18. Muhammad Iqbal, Allama. *Kuliyate Iqbal (Persian)*. P 654
19. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. P-134
20. Gohar Noshahi, Editor. *Mutalea Iqbal: Muntakhiba Muqalaat Majalla Iqbal*. Lahore: Bazme Iqbal. 1971. P-24
21. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. P 117
22. Ibid. P 78
23. Ibid. P 36
24. Ibid. P 6
25. Ibid. P 104
26. Muhammad Iqbal, Allama. *Kuliyate Iqbal (Urdu)*. P 191
27. Muhammad Asif Awan. *Muaraf Khutbate Iqbal*. Lahore: Nashriyat. 2009. P 8
28. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. *Preface*
29. Sohail Umer. *Khutbaate Iqbal Nae Tnazur Mein*. Lahore:Iqbal Academy. 2008. P 172.
30. Muhammad Iqbal. *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*. P-1
31. Ibid. *Preface*